ابن خلدون کے افکار کا جائزہ
"مقدمہ" کی روشنی میں

ضیاء الدین اصلاحی

مسلمانوں میں جو یگانہ روزگار اشخاص پیدا ہوئے اور انہوں نے علوم و فنون کی تحقیق و تدقیق اور اضافہ و توسیع میں اپنی ذہانت و عبقریت، جدت و اختراع اور بلند نگاہی اور عالی دماغی سے انقلابی کارنامے انجام دئے، ان میں ابو زید ولی الدین عبدالرحمن بن محمد کا نام بہت ممتاز اور سرفہرست ہے جو اپنے جد اعلی کی نسبت سے ابن خلدون کے سادہ اور مختصر نام سے مشہور ہیں، انہوں نے نہایت مشغول اور سرگرم علمی، تعلیمی، تصنیفی اور سیاسی زندگی گزاری، وہ اقتصادیات و اجتماعیات کے پہلے عالم ہیں جو فن تعلیم و تربیت کے ماہر، حدیث و فقہ میں کامل دستگاہ رکھنے والے، جغرافیہ میں وسیع النظر اور فن تاریخ کے امام و مجدد تھے۔

علامہ ابن خلدون کے علمی کارنامے گوناگوں ہیں، انہوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جو اکثر ناپید ہیں جس کتاب نے انھیں شہرت دوام بخشی وہ ان کی تاریخ ہے، انہوں نے اس کا یہ عجیب و غریب نام رکھا تھا۔ "کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب و العجم البربر" یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں علامہ نے ابتدائے آفرینش سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک دنیا کی تاریخ بیان کی ہے، انہوں نے ابتدا میں صرف عرب و بربر کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ وہ اپنے کو مشرق کی تاریخ کا ماہر نہیں سمجھتے تھے لیکن مصر کے سفر اور مشرق سے میل جول کے بعد جب انہوں نے اپنی کتاب مکمل کی تو اس کا دائرہ وسیع کر دیا اور اس میں دنیا کی عام قوموں اور ملکوں کے حالات و واقعات اور ان کی تاریخ کا اضافہ کر دیا۔

تاریخ کی پہلی جلد مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے جو ابن خلدون کا لازوال اور عدیم المثال کارنامہ ہے اور باقی جلدیں تاریخی مباحث کے لئے مخصوص ہیں ایک حصہ رحلہ

ابن خلدون فی المشرق و المغرب کے نام سے مستقل کتاب بن گیا ہے' اس میں خود نوشت حالات درج ہیں۔ ڈاکٹر طہ حسین نے تاریخ نگاری میں ابن خلدون کی دو نمایاں جدتیں بتائی ہیں۔

اول یہ کہ ابن خلدون نے سن وار ترتیب کو کلیتاً چھوڑ دیا ہے اور اپنی تاریخ کو متعدد فصلوں میں تقسیم کر کے ہر فصل میں ایک سلطنت یا خاندان کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے۔

دوم یہ کہ بربر یعنی شمالی افریقہ کے باشندوں کے متعلق ابن خلدون نے جو معلومات بیان کی ہیں بالخصوص عربوں سے ان کے تعلق قائم ہونے کے بعد کے زمانے کے جو حالات لکھے ہیں وہ موجودہ زمانہ میں بھی سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہیں کیونکہ ابن خلدون نے انہی قبائل میں زندگی بسر کی تھی اس لئے وہ کسی اور عربی مورخ سے زیادہ ان کے حالات سے واقف تھے' یہی وجہ ہے کہ ان کی تاریخ کے اس حصہ میں ہم کو وہ متبذل واقعات و خرافات نہیں ملتے جن کا ذکر مسعودی کی مروج الذھب اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ میں بکثرت کیا گیا ہے [۱]۔

ابن خلدون کی تاریخ میں بربر سے متعلق حصہ کی خاص اہمیت کی بنا پر یورپین علما نے بھی اس کی جانب بھرپور توجہ دی اور فرانسیسی میں اس کا ترجمہ بھی چھپاہے [۲]۔

تاریخ ابن خلدون کا پہلا حصہ مطالعہ تاریخ کی ایک تمہید اور تمدن کے متعلق ایک مقدمہ پر مشتمل ہے' اس شہرہ آفاق مقدمہ میں علامہ ابن خلدون نے اجتماع انسانی کے متعلق جو نادر خیالات پیش کئے ہیں وہ بیشتر صحیح ہیں' ان کی جدت و تازگی اور معنویت موجودہ دور میں بھی برقرار ہے اور دور حاضر کے فلاسفہ' مورخین اور علمائے اجتماعیات اس کی اہمیت اور قدروقیمت کے معترف ہیں' مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:۔

"دنیا میں لاکھوں کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہوں گی' لیکن اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ ان میں کتاب اسی کو کہا جائے گا جس میں بدیع(Original) خیالات اور نئی تحقیقات ہوں تو شاید اتنے بڑے ڈھیر میں ہر زبان میں چند ہی کتابیں کہلائے جانے کی مستحق ہوں گی' ان ہی میں سے عربی زبان کی یہ کتاب مقدمہ ابن خلدون ہے"۔

مقدمہ ابن خلدون درحقیقت اس کے زمانہ تصنیف تک کے انسانی علوم و خیالات پر سب سے پہلا تبصرہ اور تاریخ کے واقعات کو سائنس بنانے کی سب سے پہلی کوشش اور اقتصاد

اور اجتماع پر ایک فن کی حیثیت سے سب سے پہلی انسانی نگاہ ہے (۳)"۔

ابن خلدون نے مقدمہ کے شروع میں علم تاریخ کی اہمیت و عظمت واضح کر کے اس کے بعض نہایت اہم اور معیاری اصول و ضوابط پیش کئے ہیں جن کی معنویت و اہمیت اس دور میں بھی قائم ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتایا ہے کہ مورخین کو اوہام و اغلاط کیوں پیش آتے ہیں۔

علم تاریخ کی اہمیت:

ابن خلدون کے نزدیک تاریخ اس لئے نہایت اہم اور بڑا منفعت بخش فن ہے کہ اس سے ہم کو گزشتہ قوموں کے اخلاق، انبیاء کی سیرتیں اور بادشاہوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور ان کی حکومتوں اور ان کے طرز سیاست و آئین حکمرانی کے بارے میں واقفیت ہوتی ہے (۴)، وہ قصوں کے ذریعہ سے اجتماع بشری کے مختلف ادوار و اشکال کے انقلابات کی تشریح کرتی ہے، ظاہر میں تو وہ زمانے اور سلطنتوں کی حکایتوں سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی لیکن باطن میں وہ نام ہے نظر و تحقیق کا، کائنات اور اس کے مبادی کی دقیق تعلیل اور اس گہرے علم کا جس کا تعلق واقعات کی کیفیات اور اسباب سے ہے۔ اس حیثیت سے اس کا رگ و ریشہ فن حکمت سے وابستہ ہے اور وہ اس کی مستحق ہے کہ اس کا شمار علوم حکمت میں کیا جائے۔ (۵)

تاریخ میں علامہ ابن خلدون کا انقلابی کارنامہ اور تمدن انسانی کی اہمیت:

ابن خلدون کے نزدیک چونکہ تاریخ اجتماع بشری اور تمدن انسانی کی خبر دیتی ہے اور ان کو پیش آنے والے حالات و عوارض سے آگاہ کرتی ہے (۶)، اس لئے انہوں نے مطالعہ تاریخ کے لئے اس کی خاص اہمیت بتائی ہے، وہ تاریخی قصوں میں جب ایسے واقعات کو پاتے ہیں جو اجتماع بشری کے ابدی و یقینی قوانین کے مخالف ہیں تو وہ بلا تامل ان کو رد کر دیتے ہیں اور ان کو مورخین کی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں (۷)۔

اس صورت حال کے پیش نظر ابن خلدون نے تاریخ کے مطالعہ و تحریر کے طریقہ میں ایک بہت بڑا تغیر و انقلاب پیدا کیا اور تاریخ کی صحت اور اسے عمدہ طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری خیال کیا کہ تاریخی واقعات کی تحقیق اور ان قوانین کو پیش کرنے کے لئے جن کے مطابق نظم اجتماعی واضح شکل میں عمل پذیر ہو ایک مضبوط طریقہ قائم کریں اور ایسے بنیادی اصول وضع

کریں جن سے غلطیوں کے ذریعے محفوظ رہا جا سکے۔

مورخین کو غلطیاں کیسے پیش آتی ہیں:

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ کے شروع میں تفصیل سے ان امور کو واضح کیا ہے جن کی وجہ سے مورخین راہ راست سے بھٹک گئے۔ انہوں نے مورخین کی کج روی اور غلطیوں سے محفوظ نہ رہنے کے متعدد اسباب بیان کئے ہیں' ان میں سے کچھ یہ ہیں:-

۱۔ نقل پر کلی اعتماد:

ابن خلدون کے نزدیک اکثر مورخین و مفسرین سے واقعات و حکایات کے نقل و بیان میں اس لئے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں کہ انہوں نے رطب ویابس اور صحیح و غلط ہر قسم کی روایتوں پر کلی اعتماد کر لیا اور ان کو صحیح اصولوں پر پرکھنے' متشابہ اور ملتے جلتے واقعات پر قیاس کرنے' کائنات کی فطرت و خصوصیت سے باخبر ہونے اور نظر و بصیرت سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی' راویوں کی چھان بین نہیں کی اور ان کی تمام روایتوں کو صحیح باور کر لیا اس بنا پر وہ صداقت کے بارے میں اشتباہ میں پڑ گئے اور اوہام و اغلاط کی وادیوں میں بھٹکنے لگے' اس لئے ابن خلدون نظرو فکر اور بحث و تمحیص کی اہمیت و ضرورت واضح کرتے ہیں اور ان کو حق و صواب تک رسائی کا وسیلہ اور غلطیوں اور لغزشوں سے مامون رہنے کا ذریعہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اخبار و واقعات میں اگر صرف نقل ہی پر اعتماد کر لیا جائے اور عادی اصولوں اور سیاسی ضابطوں سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور غائب کو موجود پر اور حال کو ماضی پر قیاس نہ کیا جائے تو بعض اوقات ان میں لغزش اور کج روی سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا' ان کے نزدیک جن روایتوں میں احوال و اسباب کی کثرت اور فوجوں کی تعداد کا ذکر ہوتا ہے ان میں کذب و ہذیان کا زیادہ احتمال ہوتا ہے اس لئے ایسے موقع پر وہ اصولوں کی جانب رجوع ہونے اور واقعات کو ضوابط پر پیش کرنے کو نہایت ضروری قرار دیتے ہیں (۸)۔

اس طرح کے موقع پر وہ مؤرخین اور اصحاب روایت کی غلطی کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مسعودی اور اکثر مورخین بنی اسرائیل کے لشکر کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ نے وادی تیہ میں جب ان کو شمار کیا تو باوجودیکہ انہوں نے بیس سال یا اس سے زیادہ عمر والوں ہی کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی تھی پھر بھی ان کی تعداد چھ لاکھ یا اس سے زیادہ تھی"۔

ابن خلدون اس قدر بڑی تعداد کو غلط اور محال قرار دیتے ہیں کیونکہ اولاً تو یہ بات عام عادی حالات کے خلاف ہے' مصروشام جیسے ملکوں میں نہ اتنے بڑے لشکر کی سمائی ہو سکتی تھی اور نہ ان کی غذا' خوراک اور وظائف کا بندوبست ممکن تھا' علاوہ ازیں زمین کی تنگی کی بنا پر اتنے زبردست لشکر کے لئے جنگ اور صف آرائی ناممکن ہے' اس پر نظر رکھنا اور اس کو مرتب کرنا تو اور بھی دشوار ہے' ایسی صورت میں نہ اس کے لئے جنگ کرنا ممکن تھا اور نہ ایک فریق کے دوسرے فریق پر غالب آنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ایرانی بادشاہوں کی حکومتیں بنی اسرائیل کی سلطنت سے کئی گنا وسیع تھیں' اس کا ثبوت بنی اسرائیل پر بخت نصر کی فتح و کامرانی ہے' اس نے ان کو اور ان کے شہروں کو تہہ و بالا کر دیا تھا اور بیت المقدس کو بھی تاراج کر ڈالا تھا لیکن اس وسیع و عریض ملک کی فوج کی تعداد بھی کبھی اتنی نہیں ہوئی' بلکہ قادسیہ میں ان کی کل فوجوں کی تعداد لاکھ دو لاکھ ہی تھی۔ (۹)

دوسرے انسانی آبادی کے عام اصول و ضوابط کی رو سے بھی یہ تعداد غلط ہے کیونکہ محققین کے بیان کے مطابق حضرت اسرائیل (یعقوبؑ) اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان صرف چار پشتیں گزری ہیں اور مسعودی کا بیان ہے کہ وہ جب مصر سے نکلے تھے اس وقت سے میدان تیہ میں داخل ہونے تک کے درمیان کی مدت ایک سو بیس ۱۲۰ برس تھی' اتنی کم مدت میں اور چار ہی پشتوں کے اندر ان کی تعداد کا اتنا زیادہ ہو جانا محال اور عمران بشری کے عام و معروف اصول و دستور کے خلاف ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا دور اسرائیلی حکومت کے شباب کا زمانہ ہے' اس زمانے میں اسرائیلی حکومت کی حدود نہایت وسیع تھیں لیکن ان کی فوج کی تعداد کا بھی اتنا زیادہ ہونا قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے اور حضرت یعقوبؑ کے درمیان گیارہ پیڑھیاں ہیں' گیارہ پشتوں میں بھی اتنی بڑی تعداد نہیں ہو سکتی' خود اسرائیلی روایتوں سے بھی حضرت سلیمان کے فوجیوں کی تعداد

بارہ (۱۲)، تیرہ (۱۳) ہزار کے قریب ہی معلوم ہوتی ہے۔ (۱۰)

ابن خلدون نے اسے ایک عام بیماری بتایا ہے اور کہا ہے کہ ہم عصر مورخین جب اپنے عہد یا اس کے قریب تر زمانہ کی حکومتوں کی فوجوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں یا بادشاہوں کے ٹیکس، حکومتوں کی پیداوار، ان کی آمدنی، مال و دولت، خوش حال لوگوں کے اخراجات اور مالداروں کے ساز و سامان کو شمار کرتے ہیں تو اسی قسم کی مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں حالانکہ جب ان امور کی تحقیق اور چھان پھٹک کی جاتی ہے تو اس کثیر تعداد کا عشر عشیر بھی نہیں نکلتا، ابن خلدون اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ انسان غرابت اور عجوبہ پسند واقع ہوا ہے، وہ نقد و نظر، جرح و تعدیل اور بحث و تحقیق سے کام نہیں لیتا، اپنی باگ کو چھوڑ دیتا ہے اور جھوٹ کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے، اللہ کی آیتوں کو کھیل تماشہ اور مذاق بنا لیتا ہے۔ (۱۱)

ابن خلدون نے اس قسم کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں جن کو طوالت کی بنا پر نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ مورخین کی غلط بیانی اور نقل پر کلی اعتماد کا نمونہ دیکھ لیا اب مفسرین کی غلط بیانی اور نقل پر کلی انحصار کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے!

مفسرین نے سورہ فجر کی آیات "الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد" کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت بعید از قیاس اور سراسر غلط ہے، ان کے نزدیک "ارم" ایک شہر کا نام ہے ذات العماد (ستونوں والا) اسی کی صفت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ عاد بن عوص بن ارم کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شدید اور دوسرے کا شداد تھا۔ یہ دونوں اپنے باپ کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوئے لیکن پھر شدید بھی مر گیا اور شداد سارے ملک کا تنہا مالک ہو گیا۔ اس نے جنت کی مانند ایک شہر تعمیر کرانے کا فیصلہ کیا چنانچہ صحرائے عدن میں تین سو برس کے اندر اس نے شہر ارم تعمیر کرایا، اس عظیم الشان شہر کے محل سونے کے تھے جن کے ستون یاقوت و زبرجد کے تھے، شداد نے اس میں انواع و اقسام کے درخت لگائے جن کے نیچے نہریں رواں تھیں، جب شہر کی تعمیر مکمل ہو گئی تو وہ اپنے ملک والوں کو لے کر اس میں رہنے کے لئے روانہ ہوا لیکن جب وہاں پہنچنے میں صرف ایک روز و شب کی مسافت رہ گئی تھی تو اللہ نے آسمان سے ان پر صیحہ (زور دار چیخ) بھیجی، اس کی وجہ سے سب کے سب ہلاک ہو گئے، طبری، ثعالبی اور زمخشری وغیرہ نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد عبداللہ بن قلابہ صحابی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنے ایک

اونٹ کی تلاش میں وہاں پہنچے تو اس اونٹ پر جتنا مال و اسباب لاد کر لاسکتے تھے لائے' حضرت معاویہؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان کو بلایا اور یہ واقعہ سنا پھر حضرت کعبؓ احبار سے اس کے بارے میں دریافت کیا' انہوں نے فرمایا کہ آپ کے زمانے میں گورے اور سرخ رنگ کا کوئی پستہ قد آدمی ارم ذات العماد میں داخل ہو گا' اس کی پلک اور گردن پر تل ہو گا اور وہ اونٹ کو تلاش کرتا ہوا وہاں جائے گا۔ ابن قلابہ اسی شکل و صورت کے آدمی تھے۔ (۱۲)

ابن خلدون نے اس حکایت کو باطل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جو زمانہ اس شہر کی تعمیر کا بتایا جاتا ہے' اس وقت سے اب تک اس کی کوئی خبر نہیں سنی گئی' صحرائے عدن جس کے بارے میں کہا جاتا ہے وہاں شہر کی تعمیر ہوئی تھی وسط یمن میں ہے' اس کی آبادی نسلاً بعد نسلٍ چلی آ رہی ہے اور یہاں سے گزرنے والے اس کے راستوں کا ذکر کرتے ہیں' لیکن کوئی مؤرخ اس شہر کے بارے میں کچھ بیان نہیں کرتا اگر یہ لوگ کہتے کہ دوسرے آثار کی طرح اب یہ شہر معدوم ہو چکا ہے تو یہ ایک قرین قیاس بات ہوتی لیکن ان کے فحوائے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک یہ شہر موجود ہے' چنانچہ بعض نے صراحت کی ہے کہ دمشق اسی کا نام ہے جو قوم عاد کے زیر نگیں تھا۔

ان روایات کے سبب یہ قصہ خلط مبحث کا شکار ہو گیا اور یہ سب کچھ ذات العماد کے لفظ اور اسکے اعراب کا پیدا کیا ہوا ہے جس کو ارم کی صفت مان لیا گیا اور عماد سے اساطین مراد لئے گئے' ان لوگوں کو ابن زبیر کی قرأت سے بھی دھوکہ ہوا جس کے مطابق عاد مضاف ہے اور اس پر تنوین کا اعراب نہیں ہے' اس طرح بے بنیاد قصوں پر مبنی ایسی مضحکہ خیز تاویل کی گئی ورنہ عماد سے خیموں اور ڈیروں کی طنابیں مراد ہیں اور اگر اساطین (ستون) بھی مراد ہوں تو اس میں کوئی انوکھے پن اور ندرت کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ عمارتوں اور ستونوں والے تھے جن کی قوت و شوکت کی شہرت تھی اور ابن زبیر کی قرأت کے مطابق اگر اس کو اضافت ہی پر محمول کیا جائے تو یہ اسی قسم کی اضافت ہو گی جیسی چھوٹے قبیلہ کی جانب ہوتی ہے لیکن اس محمل بعید کی ضرورت ہی کیا ہے جس کی توجیہ کے لئے ایسی بعید از صحت روایتوں کا سہارا لینا پڑے۔ (۱۳)

ابن خلدون کے نزدیک اسی طرح کی بعید از قیاس حکایتوں کی وجہ سے فن تاریخ صدق و کذب کا ملغوبہ بن گیا ہے۔ وہ ان پر نقد و تبصرہ کرنے کے بعد ان بنیادی اور اصولی حقائق کی

جانب توجہ کرتے ہیں:۔

مؤرخ کو سیاست کے قوانین، موجودات کے خواص، قوموں کی سیرت واخلاق، ان کے عادات و اطوار اور دوسرے عام حالات کے علاوہ ملکوں اور ادوار کے اختلاف و تغیر کا علم ہونا چاہیے، حاضر و غائب کے درمیان جو مماثلت و مغایرت ہو اس کا احاطہ کرنا چاہیے تاکہ ان دونوں کے متفق علیہ و مختلف فیہ کی توجیہ و تعلیل کر سکے، حکومتوں اور قوموں کے اصول و ضوابط، ان کے ظہور و حدوث کے اسباب، ان کے میلانات ورجحانات اور حکمرانوں کے حالات و واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ وہ ہر واقعہ کے اسباب کا پتہ لگا سکے اور ہر چیز کے اصول سے واقف رہے اور ان سب کی روشنی میں منقول واقعات اور خبروں کی جانچ پڑتال کر سکے، اگر وہ ان کے مطابق ہوں تو انھیں صحیح باور کرے ورنہ انھیں کھوٹا سمجھ کر رد کر دے۔ متقدمین نے علم تاریخ کو اسی بنا پر عظیم الشان بتایا ہے لیکن جن لوگوں کو اس میں رسوخ نہیں تھا انہوں نے ان نکتوں کو فراموش کر دیا اور اس راز کو نہیں سمجھا اس لئے تاریخ کو انہوں نے مہمل، سطحی اور پست درجہ کی چیز بنا دیا، اس کی وجہ سے اس میں رطب و یابس اور غث و سمین سب جمع ہو گیا اور گودے کے ساتھ چھلکے اور صحیح کے ساتھ غلط اور سچ کے ساتھ جھوٹ بھی شامل ہو گیا۔ (۱۴)

۲۔ تمدن کے حالات سے بے خبری:

علامہ ابن خلدون غلطی کی ایک وجہ مورخ کے تمدن کے حالات سے ناواقفیت کو بھی بتاتے ہیں، دراصل واقعات و حوادث اور ان کو پیش آنے والے حالات کی طبعی خصوصیات اور مخصوص مقتضیات ہوتے ہیں جو خبر کی بحث و تمحیص اور صدق و کذب میں امتیاز کرنے میں بڑے معاون ہوتے ہیں۔ ان کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے مورخ اکثر محال اور ناممکن واقعات کو قبول کر کے انھیں خود بھی نقل کرتا ہے اور دوسرے ان کو اس سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ مسعودی نے اسکندر بادشاہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جب اسکندریہ کی تعمیر میں سمندری جانور مزاحم ہوئے تو اس نے لکڑی کا ایک تابوت بنا کر اس کے اندر شیشہ کا ایک صندوق رکھا، اس میں بیٹھ کر وہ گہرے سمندر میں غوطہ زن ہوا اور شیطانی جانوروں کی صورتوں کی معدنیاتی مورتیں بنائیں اور انہیں عمارتوں کے سامنے نصب کر دیا جن کو دیکھ کر جانور بھاگ گئے اور شہر کی تعمیر مکمل ہو گئی، یہ کہانی بڑی طویل اور سراسر جھوٹ ہے جو متعدد وجوہ سے محال اور ناممکن ہے۔

۱۔ شیشے کے ایسے تابوت کا سمندر کی موجوں سے ٹکرانا ناممکن ہے۔

۲۔ بادشاہ اس طرح کے خطرناک کام خود نہیں کرتے، کیونکہ جو بھی اس طرح کا خطرہ مول لے گا، وہ اپنے کو ہلاک و برباد کر دے گا۔

۳۔ جنوں کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ان کی تصویریں لینا اور مورتیاں بنانا ممکن ہے، وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے پر قادر ہوتے ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ان کے سر کئی ہوتے ہیں تو اس کا مقصد ان کی خوفناک اور ناگوار شکل و صورت کا اظہار ہوتا ہے۔

۴۔ پانی میں غوطہ لگانے والے کو خواہ وہ کسی صندوق ہی میں کیوں نہ ہو سانس لینے کے لئے ہوا نہیں ملتی جس کی وجہ سے اس کی روح گرم ہو جاتی ہے اور وہ ٹھنڈی ہوا نہیں ملتی جو اس کے مزاج، پھیپھڑے اور قلب کو اعتدال پر رکھتی ہے اس لئے وہ اسی وقت ہلاک ہو جاتا ہے، جو لوگ حمام میں بند ہو جاتے ہیں یا کنوئیں اور گہرے کھڈوں میں گر پڑتے ہیں ان کی ہلاکت کا بھی یہی سبب ہوتا ہے کہ ان کی ہوا گرم اور متعفن ہو جاتی ہے اور انھیں مناسب و معتدل ہوا نہیں ملتی، مچھلیاں پانی کے باہر اس لئے ہلاک ہو جاتی ہیں کہ ان کے پھیپھڑوں کو اعتدال پر رکھنے کے لئے ہوا ناکافی ہوتی ہے اور وہ بالکل گرم ہوتی ہے جبکہ پانی ٹھنڈا ہوتا ہے، اس طرح گرم ہوا کے حاوی ہونے کی وجہ سے وہ مرجاتی ہیں۔ (۱۵)

۳۔ حالات کی تبدیلی کو مدنظر نہ رکھنا:

ابن خلدون کے نزدیک تاریخ میں ایک خفی غلطی اس طرح در آتی ہے کہ زمانے کے بدلنے اور گزرنے سے قوموں اور نسلوں کے حالات میں جو تبدیلی واقع ہوتی ہے اسے نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ اسے ایک سخت اور مخفی بیماری بتاتے ہیں جو ایک طویل مدت کے بعد پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کی تشخیص چند ہی لوگ کر پاتے ہیں کیونکہ دنیا اور قوموں کے حالات و عادات اور ان کے طور طریقے ہمیشہ یکساں نہیں رہتے بلکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان میں اختلاف پیدا ہوتا رہتا ہے اور ایک حالت دوسری حالت سے بدلتی رہتی ہے۔ (۱۶)

ابن خلدون نے مختلف قوموں کے اندر عہد بعہد جو انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں ان

کی مثالیں بیان کر کے ان کا ایک عام اور معروف سبب یہ بتایا ہے کہ ہر قوم و نسل اپنے بادشاہوں کے عادات و اطوار کو اختیار کرتی ہے' مشہور مثل ہے کہ الناس علی دین ملوکہم (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) نئے حکمران کے لئے اقتدار سنبھالنے کے بعد مصلحتاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ پرانے حکمران کے اکثر دستور و طریقے کو اپنا لے مگر چونکہ اس کے لئے اپنی قوم و نسل کے اخلاق و عادات کو بالکل ہی نظرانداز کر دینا اور چھوڑ دینا مشکل ہوتا ہے اس طرح نئی حکومت کے طور طریقے پہلی حکومت کے طور طریقے سے کسی قدر مختلف ہو جاتے ہیں' اس کے بعد جب تیسری حکومت قائم ہوتی ہے تو اس کے اور دوسری حکومت کے طرز و آئین میں بھی کسی قدر فرق و اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جو سب سے پہلی حکومت سے اور بھی زیادہ مختلف ہوتا ہے' اس طرح جو تھوڑی تھوڑی تبدیلی یکے بعد دیگرے تدریجی طور پر ہوتی ہے وہ بالآخر یکسر مغایرات میں تبدیل ہو جاتی ہے' ظاہر ہے اس فرق و تغیر کو فراموش کر دینے کے بعد مورخ غلطی سے مامون نہیں رہ سکتا کیونکہ عموماً آدمی جب گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات سنتا ہے اور وہ حالات کے انقلاب و تغیر سے واقف نہیں ہوتا اول وہلہ میں وہ ان کو مشہور و معروف چیزوں پر پرکھتا ہے یا مشاہدہ کی چیزوں اور سامنے کی باتوں پر ان کا قیاس کرتا ہے حالانکہ دونوں کے درمیان زبردست فرق ہوتا ہے' اس طرح وہ غلطی کر بیٹھتا ہے۔ (۱۷)

علامہ ابن خلدون نے اس کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں' ایک مثال بیان کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں:۔

"مؤرخین نے حجاج کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کے باپ کو معلم بتایا ہے' ہمارے زمانے میں تعلیم پیشہ اور ذریعہ معیشت ہو گئی ہے اس لئے یہ عزت و منصب کی چیز نہیں سمجھی جاتی بلکہ معلم کو سماج کا ایک مجبور اور کمزور فرد خیال کیا جاتا ہے مگر چونکہ حجاج کا باپ معلم تھا اس کی وجہ سے موجودہ دور کے معلمین بھی ان بلند مراتب و مناصب کے آرزو مند ہوتے ہیں جن کے وہ سرے سے اہل نہیں ہوتے مگر وہ ان کو ممکن سمجھ کر ان کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ پیشہ ور لوگ ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد اور اموی و عباسی دور میں نہ تعلیم کی یہ نوعیت تھی اور نہ وہ اس زمانہ میں کوئی پیشہ تھا بلکہ اس کا مقصد شارع کے ارشادات و ہدایات کو تبلیغ و

دعوت کی غرض سے نقل و بیان کرنا ہوتا تھا تاکہ ناواقف لوگوں کو دین کے احکام سے واقف کرا دیا جائے چنانچہ شرفاء اور ذمہ داران ملت وہی ہوتے تھے جو اشاعت و تبلیغ دین کے لئے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنتوں کی تعلیم دیتے تھے' اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبار صحابہ کو عربوں کے وفود کے ساتھ بھیجتے تھے اور وہ لوگوں کو اسلام کے احکام و شرائع کی تعلیم دیتے تھے لیکن جب اسلام کو استحکام نصیب ہوا اور دور دراز کی قوموں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور زمانہ کے گزرنے کے ساتھ حالات بھی بدلتے گئے اور نئے واقعات بکثرت پیش آنے لگے جن کی وجہ سے نصوص سے شرعی احکام مستنبط کئے جانے لگے تو خطا و لغزش سے محفوظ رہنے کے لئے قاعدہ و قانون کی ضرورت ہوئی' اس طرح علم ایک ایسی چیز بن گیا جس کو حاصل کرنے اور سیکھنے کی احتیاج ہوئی۔

دوسری طرف شرفاء امور سلطنت میں مشغول رہنے کی وجہ سے علم کی جانب توجہ نہیں دے سکے ' اس لئے علم کی ذمہ داری دوسرے لوگوں نے قبول کر لی اور وہ معاش کا ذریعہ ہو گیا جو کمزور و ناتواں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا' اس کی وجہ سے خوش حال اور مسند اقتدار پر متمکن لوگ اس پیشہ کو اختیار کرنے میں عار محسوس کرنے لگے اور وہ اس کو اختیار کرنے والے کو حقیر سمجھنے لگے جبکہ حجاج کے باپ یوسف قبیلہ ثقیف کے عمائد اور سادات میں تھے اور ان کا قبیلہ قریش کے قبیلہ کے برابر اور ہم پایہ سمجھا جاتا ہے' حجاج کے والد آج کے زمانہ کے لوگوں کی طرح معاش اور گزر بسر کے لئے قرآن مجید کی تعلیم نہیں دیتے تھے (۱۸) اس ضمن میں ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

حکومتوں کے تذکرہ اور بادشاہوں کے نظم و نسق کے بیان میں مورخین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محض اموی و عباسی دور کے مورخین کی تقلید میں ان کے مقاصد کو سمجھے بغیر بادشاہوں کے نام و نسب' القاب و آداب ' مہروں' ان کے والدین' بیویوں' وزیروں' قاضیوں اور حاجبوں وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ قدیم مؤرخین اپنی تاریخیں ان ارباب دولت کے لئے لکھتے تھے جن کے اخلاف اپنے بزرگوں کی سیرت و کردار اور ان کے حالات و واقعات کو جاننے کے مشتاق ہوتے تھے تاکہ وہ ان کے آثار و نقوش کی پیروی کریں اور ان کے اصول اور طریقوں کو اختیار کریں اس لئے ان ساری باتوں کے ذکر و تفصیل کی ضرورت تھی مگر اب چونکہ گزشتہ اور موجودہ دور

کی حکومتوں میں نمایاں فرق ہو گیا ہے اس لئے صرف بادشاہوں اور حکومتوں کے باہمی تعلق کے بارے میں جان لینا کافی ہے' اس بنا پر اب اس عہد کے مصنف کے لئے بادشاہوں کے آل و اولاد اور ان کی مہروں' القاب' قاضیوں اور وزیروں کا ذکر بے فائدہ ہے لیکن اب بھی قدیم مصنفین کے مقاصد اور ان کی کتب تاریخ کے اغراض سے ناواقفیت کی بنا پر محض تقلیداً ان سب چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (۱۹)

۴۔ جانبداری اور ذاتی میلان:

علامہ ابن خلدون کے نزدیک کسی مذہب و عقیدہ یا رائے و خیال کے بارے میں مورخ کا ذاتی میلان و رجحان بھی اس کو غلطی اور کج روی پر آمادہ کرتا ہے' اس کے برعکس اگر وہ کسی مذہب و رائے کے بارے میں غیر جانب دار اور خبر و واقعہ کو قبول کرنے میں حد اعتدال پر قائم رہتا ہے تو وہ اس کی بحث و تمحیص کا پورا حق ادا کرتا ہے جس سے واقعہ کا سچ اور جھوٹ واضح ہو جاتا ہے لیکن جب وہ کسی رائے اور روش کے بارے میں جانب دار ہوتا ہے تو اس کے موافق جو واقعات اور خبریں ہوتی ہیں انھیں پہلے ہی وہلہ میں قبول کر لیتا ہے اور اس کا ذاتی میلان و رجحان اس کی نگاہ بصیرت کے لئے حجاب بن جاتا ہے اور اسے نقد و تمحیص سے روک دیتا ہے چنانچہ وہ جھوٹ کو قبول کرتا ہے اور اسے نقل بھی کرتا ہے۔ (۲۰)

۵۔ تملق:

لوگ عموماً طاقت ور' ذی وجاہت اور صاحب اثر و رسوخ اشخاص کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کی جھوٹی تعریف اور خوشامد کرتے ہیں' اس کی وجہ سے خبریں اصل واقعہ کے بالکل برخلاف مشہور ہو جاتی ہیں' اصل یہ ہے کہ دنیا کے مال و اسباب اور جاہ و حشمت کا حرص انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے' اس کے حصول کے لئے فضائل و کمالات سے متصف ہونے کے بجائے وہ ذی حیثیت لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے اور امراء کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی جھوٹی تعریف اور خوشامد سے خوش ہوتے ہیں' اس بنا پر خبریں اور واقعات اصلیت پر باقی نہیں رہتے اور وہ دوسرے رنگ و روپ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ (۲۱)

۶۔ مقاصد سے بے خبری:

مقاصد کو فراموش کر دینے سے بھی مورخین کو غلطیاں پیش آتی ہیں یعنی وہ جن چیزوں کو دیکھتے یا سنتے ہیں ان کا مقصد انھیں معلوم نہیں ہوتا اور وہ ظن و تخمین سے انھیں بیان کرتے ہیں اور کذب بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (۲۲)

۷۔ واقعات پر احوال کو منطبق نہ کرنا:

مؤرخین کو غلطی کا سامنا اس لئے بھی کرنا پڑا کہ انہوں نے واقعات پر احوال کو منطبق کرنے کی کوشش نہیں کی، عموماً واقعات میں تلبیس اور بناوٹ در آتی ہے اور خبر دینے والا ان کو جیسے دیکھتا ہے اسی طرح بیان کر دیتا ہے حالانکہ تلبیس اور وضع کی وجہ سے ان کی نوعیت کچھ اور ہو گئی ہے۔ (۲۳)

اس طرح کے بعض اور اسباب اور ناممکن الوقوع اور محال مثالیں پیش کرنے کے بعد علامہ ابن خلدون بتاتے ہیں کہ واقعات کی جانچ پڑتال اور حق و باطل میں امتیاز کا سب سے عمدہ اور قابل اعتماد طریقہ یہی ہے کہ مورخ تمدن کی خصوصیت اور اجتماع کی حقیقت سے واقف ہو، ان کے نزدیک یہ اصول جرح و تعدیل سے بھی فائق اور مقدم ہے کیونکہ راویوں کی ثقاہت کا اصول و ضابطہ اسی وقت اختیار کیا جائے گا جب یہ معلوم ہو جائے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے لیکن اگر وہ تمدن و اجتماع کے خلاف اور اس کی روح سے صحیح نہ ہو تو اس کی اور اس کے راویوں کی جرح و تعدیل کی بحث بے سود اور لاحاصل ہے البتہ شرعی احکام و اخبار کے لئے وہ جرح و تعدیل کے قاعدہ کو معتبر مانتے ہیں ۔ اس لئے محدثین کے لئے وہ اس کی گنجائش کے قائل ہیں کہ وہ راویوں اور روایتوں کی چھان بین کر کے آگے بڑھیں مگر تاریخی واقعات کو اجتماعی اصول و قوانین پر منطبق کرنا ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی صحت و صداقت کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ وہ اجتماعی و تمدنی حالات کے مطابق ہوں یعنی یہ دیکھا جائے کہ ان کا وقوع فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں اور جب یہ صورت لازمی ہے تو جو قانون روایتوں میں حق و باطل کا امتیاز امکان و استحالہ کے ذریعہ کر سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم خود اجتماع انسانی پر غور کر کے یہ امتیاز کریں کہ کون سے حالات بذات خود اور اس کی حقیقت کے مقتضا کے موافق اس کو لاحق ہوتے ہیں اور کون سے

حالات محض عارضی اور ناقابل لحاظ ہیں اور کون سے حالات اس کو عارضی طور پر لاحق ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو روایتوں میں حق و باطل اور صدق و کذب کے امتیاز کا یہ ایک برھانی قانون ہو گا۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جائے گی اور اس وقت جب ہم کسی اجتماعی حالت کے بارے میں سنیں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سی حالت قبول کے اور کونسی رد کے قابل ہے اور یہ ایک ایسا صحیح معیار ہوگا جس کے ذریعہ سے مورخین اپنی روایتوں کے لئے صحت و صداقت کا راستہ تلاش کر سکیں گے۔ (۲۴) گویا علامہ ابن خلدون کے نزدیک تحقیق و تفتیش کے قواعد کا مرجع یہ اصول ہے کہ اگر ایک واقعہ فی ذاتہ ممکن ہے اور وہ تمدن کی فطرت کے خلاف نہیں ہے بلکہ جس زمانہ اور جس مقام میں رونما ہوا ہے اس سے موافقت رکھتا ہے تو اس سے نظری طریقہ پر بحث کرنی چاہیے۔

ابن خلدون کے نظریے کے مطابق تاریخ ہمیشہ کسی زمانہ یا نسل کے متعلق مخصوص روایات کے بیان کرنے کا نام ہے لیکن محض واقعات کا بخوبی علم ہی کسی روایت کے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ ملکوں، نسلوں اور زمانوں کے عام حالات کا بیان مورخ کے لئے ایک بنیاد ہے جس پر اس کے اکثر مقاصد مبنی ہیں اور اس سے اس کی روایات واضح ہوتی ہیں، (۲۵) لیکن ملکوں، نسلوں اور زمانوں کے عام حالات علم تاریخ کا موضوع نہیں بلکہ وہ ایک ایسے علم کا موضوع ہیں جو تاریخ کے ملحقات میں ہے اور گو وہ تاریخ کے لئے ضروری ہے لیکن وہ بذات خود ایک مستقل علم ہے اس لئے علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب کا موضوع اسی کو بنایا ہے اور چونکہ یہ بذات خود ایک مستقل علم ہے اس لئے اس کا ایک موضوع بھی ہے جو عمران بشری اور اجتماع انسانی ہے جس کے بہت سے مسائل ہیں، گویا انسانی اجتماعیات کو یکے بعد دیگرے لاحق ہونے والے عوارض و احوال کا بیان ان کا اصل مقصد ہے (۲۶) جو فن تاریخ سے جدا اور براہ راست ایک مستقل علم و فن ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طہ حسین: ابن خلدون (اردو ترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی) ص ۲۹، مطبع معارف اعظم گڑھ، انڈیا ۱۹۴۰ء

۲۔ ڈاکٹر علی عبدالواحد وافی: عبدالرحمن بن خلدون ص ۲۳۵ مکتبہ مصر سن ندارد

۳۔ طہ حسین: ابن خلدون مترجم مولانا عبدالسلام ندوی دیباچہ ص الف مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

۴۔ عبدالرحمن بن خلدون مغربی: مقدمہ ص ۹ مطبعۃ التقدم مصر ۱۳۲۹ھ

۵۔ ایضاً ص ۳'

۶۔ ایضاً ص ۳۸

۷۔ ایضاً ص ۴۱

۸۔ ایضاً ص ۹

۹۔ ایضاً ص ۱۰

۱۰۔ ایضاً ص ۱۱

۱۱۔ ایضاً ص ۱۱ و ۱۲

۱۲۔ ایضاً ص ۱۴

۱۳۔ ایضاً ص ۱۵

۱۴۔ ایضاً ۳۰ و ۳۱

۱۵۔ ایضاً ص ۳۹ و ۴۰

۱۶۔ ایضاً ص ۳۱

۱۷۔ ایضاً ص ۳۲

۱۸۔ ایضاً ص ۳۲ و ۳۳

۱۹۔ ایضاً ص ۳۵

۲۰۔ ایضاً ص ۳۸ و ۳۹

۲۱۔ ایضاً ص ۳۹

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً ص ۴۱ و ۴۲

۲۵۔ ایضاً ص ۴۱

۲۶۔ ایضاً ص ۴۲